# GOVERNMENT DEGREE COLLEGE

ZAHEERABAD, SANGAREDDY (DIST)
TELANGANA-502 220

# DEPARTMENTAL PROJECT
# OF
# URDU

Govt Degree college Zaheerabad.
Dist. Sangareddy

Study project :- Allama Iqbal
ki watoniatt

by students of B.A II nd yr. U/M.

under supervision of Ayesha Begum
Asst. professor of urdu
G.D.C Zaheerabad.

Prepared

1) Aliya Begum
2) Maleka Jabeen
3) Rubiya Sultana
4) Seema Begum
5) Atiya Begum
6) Heena Begum
7) Nasreen sultana

| Chater | particular | Page No |
| --- | --- | --- |
| 1 chapter | Introduction | 1-5 |
| 2 chapter | Review of Literature | 6-14 |
| 3 chapter | patriotism peotry of Iqbal | 15-35 |
| 4 chapter | Conclusion | 36-37 |
| 5 chapter | Reference | 38-39 |

| یونٹ نمبر | مضامین | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱- | اقبال کی سوانح عمری | 01-05 |
| ۲- | شعری مجموعے<br>۱- بانگِ درا<br>۲- بالِ جبریل<br>۳- ضربِ کلیم<br>۴- ارمغانِ حجاز | 06-14 |
| ۳- | درس نظم<br>۱- ترانۂ ہندی<br>۲- ہمالیہ<br>۳- ہندوستانی بچوں کا قومی گیت<br>۴- وطنیت | 15-35 |

# Introduction

# اقبال کی سوانح عمری

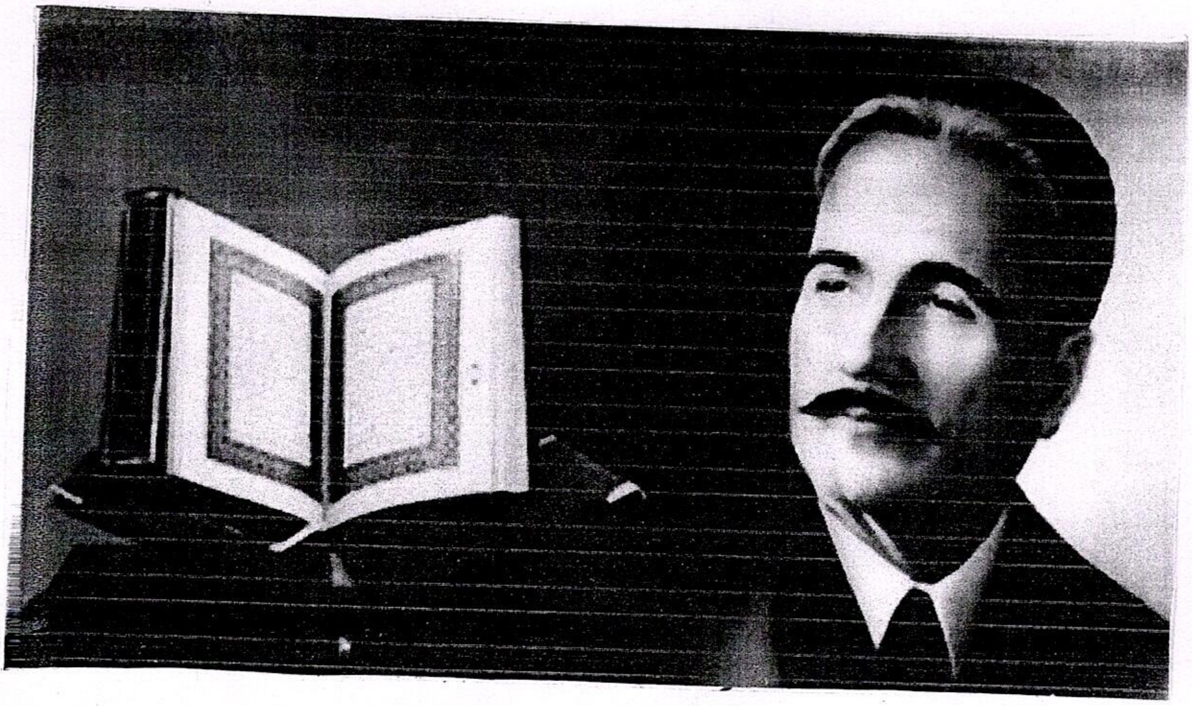

شیخ محمد اقبال ۹ نومبر 1877ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے

ان کے اجداد کشمیری برہمن تھے۔ اور سپرو گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ڈھائی تین سو برس پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا تھا شیخ محمد اقبال کے والد نور محمد متقی، پرہیزگار اور نیک دل بزرگ تھے۔ ان کا چھوٹا سا کاروبار تھا۔ وہ اپنی محدود آمدنی میں قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ شیخ عطا محمد، اور شیخ محمد اقبال۔ عطا محمد اقبال سے ۱۴ سال بڑے تھے شیخ نور محمد نے اپنے بیٹوں کی تعلیم پر خاص توجہ دی۔ انھیں گھر پر اردو، فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھائی گئیں۔

اور مذہبی تعلیم دی گئی۔ بعد میں انگریزی مدرسے میں شریک کرایا گیا۔ مشن اسکول جسمیں اقبال نے انٹرنس تک تعلیم پائی، انٹرمیڈیٹ کالج میں اقبال نے ایف۔ اے میں داخلہ لیا۔

مولوی میر حسن بھی اس کالج میں پڑھانے لگے۔ ان کی تربیت نے اقبال کے جوہر کو جلا بخشی۔ اسی زمانے میں اقبال شعر کہنے لگے تھے۔ ابتدا میں انہوں نے اپنے استاد سے صلاح لی پھر انہی کے مشورے سے چند غزلیں "داغ دہلوی" کے پاس بھیجیں حضرت داغ نے اصلاح دی۔ ان کے کام کو سراہا اور ہمت افزائی کی۔ یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک چلتا رہا۔ اس کے بعد حضرت داغ نے اقبال کو لکھکر بھیجا کہ وہ شعر کہتے رہیں۔ اب انھیں اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ اقبال ہندوستان کے ایک مایہ ناز سپوت تھے۔ ان کا شمار دنیا کے چند عظیم شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ ایک فلسفی شاعر تھے اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اسکاچ مشن اسکول سے 1891ء میں مڈل کامیاب کیا۔ اور یہیں سے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کامیاب کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے اور 1899ء میں فلسفہ میں ایم۔ اے۔ کیا 1907ء میں میونخ یونیورسٹی جرمنی سے پی ایچ ڈی کی۔ 1908ء میں لندن سے ہندوستان آئے۔

اقبال کی ذہنی تربیت میں ان کا بڑا حصہ رہا۔ اقبال کو اپنے اساتذہ مولوی میر حسن اور پروفیسر آرنلڈ سے جو قلبی لگاؤ تھا۔ اس کا اندازہ ان نظموں سے ہوتا ہے۔ جنمیں اقبال نے انھیں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

لاہور میں اقبال وہاں کے مشاعروں اور محفلوں میں شریک ہونے لگے۔ ایک مشاعرہ میں مرزا ارشد گورگانی موجود تھے۔ جن کا شمار اساتذہ سخن میں ہوتا تھا۔ اقبال نے اپنی باری آنے پر غزل سنائی اور جب وہ اس شعر پر پہنچے۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے

تو ارشد گورگانی تڑپ گئے اور بے ساختہ داد دی۔ اقبال ابھی ایم۔ اے کے طالب علم ہی تھے کہ انھیں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس میں اپنی نظم "نالہ یتیم" پڑھی یہ نظم اتنی درد انگیز تھی کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ شیخ عبدالقادر نے اس نظم کو اپنے رسالے "مخزن" میں شائع کیا۔ اسطرح شاعر کی حیثیت سے اقبال نے جلد ہی اپنا مقام پیدا کر لیا۔ اور ان کی شہرت دور

دور تک پھیل گئی۔

ابتداء میں اقبال ایک فطرت نگار اور قوم پرست شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے۔ انہوں نے ہمالیہ، ترانہ ہندی "ہندوستانی بچوں کا قومی گیت اور نیا شوالہ" جیسی قومی نظمیں لکھیں۔ وہ انگریزی کے "روحانی" شاعروں سے متاثر تھے۔

انہوں نے بعض نظموں میں مناظر فطرت کی بڑی خوبصورت عکاسی کی ہے بچوں کیلئے بھی کئی نظمیں لکھیں جو ان کے پہلے مجموعے کلام "بانگِ درا" میں شامل ہیں۔ ایم اے کے بعد تھامس آرنلڈ کی کوشش سے اقبال اورینٹل کالج لاہور میں فلسفے کے لکچرر مقرر ہوئے۔ اور کچھ دنوں بعد میں گورنمنٹ کالج لاہور میں ان کا تقرر کیا گیا۔ تھامس آرنلڈ ملازمت سے سبکدوش ہو کر انگلستان جانے لگے۔ تو انہوں نے اقبال کو مشورہ دیا کہ انگلستان آکر فلسفے کی مزید تعلیم حاصل کریں۔ اقبال کی خواہش پر ان کے بڑے بھائی نے 1905ء میں اپنے خرچ پر انھیں انگلستان بھیج دیا۔ اور اپنی علمی اور تعلیمی مصروفیات کی بنا پر اقبال نے شعر گوئی ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن پروفیسر آرنلڈ اور شیخ عبد القادر کے اصرار پر انہوں نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ 1907ء میں میونخ یونیورسٹی سے جرمنی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی۔ 1908ء میں لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ اسی دوران میں لندن سے ہندوستان آئے

۱۹۰۹ء میں لاہور کالج میں فلسفہ کے استاد مقرر ہوئے۔

1923ء میں حکومت نے "سر" کے خطاب سے نوازا۔

اقبال نے بڑے پس وپیش کے بعد اس خطاب کو قبول کیا۔ لیکن یہ شرط رکھی کہ ان کے استاد مولوی میر حسن کو "شمس العلماء" کا خطاب دیا جائے۔ حکومت نے یہ شرط منظور کر لی۔

1928ء میں انھیں اسلام پر توسیعی لکچر دینے کیلئے مدراس مدعو کیا گیا۔ اقبال نے وہاں انگریزی میں کچھ لکچر دیئے جن کو کتاب کی شکل میں چھپایا گیا۔ بعد میں اس کتاب کا اردو میں ترجمہ "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" کے نام سے شائع ہوا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اقبال کے افکار کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ مدراس سے وہ میسور گئے اور ٹاؤن حال میں لکچر دیا۔ وہاں سے وہ 14 جنوری 1929ء کو حیدرآباد پہنچے۔ یہاں ان کا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔

اردو میں اقبال کے تین مجموعے کلام ملتے ہیں (۱) بانگ درا (۲) بال جبریل (۳) ضرب کلیم۔ اس کے علاوہ ارمغان حجاز میں اردو اور فارسی دونوں کلام شامل ہیں فارسی کلام کے مجموعوں میں اسرار خودی، رموز بےخودی، پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ، مسافر، پس چہ باید کرد، اے اقوام مشرق شامل ہیں۔

اقبال کا انتقال 21 اپریل 1938ء کو لاہور میں ہوا۔

# Review of Literature

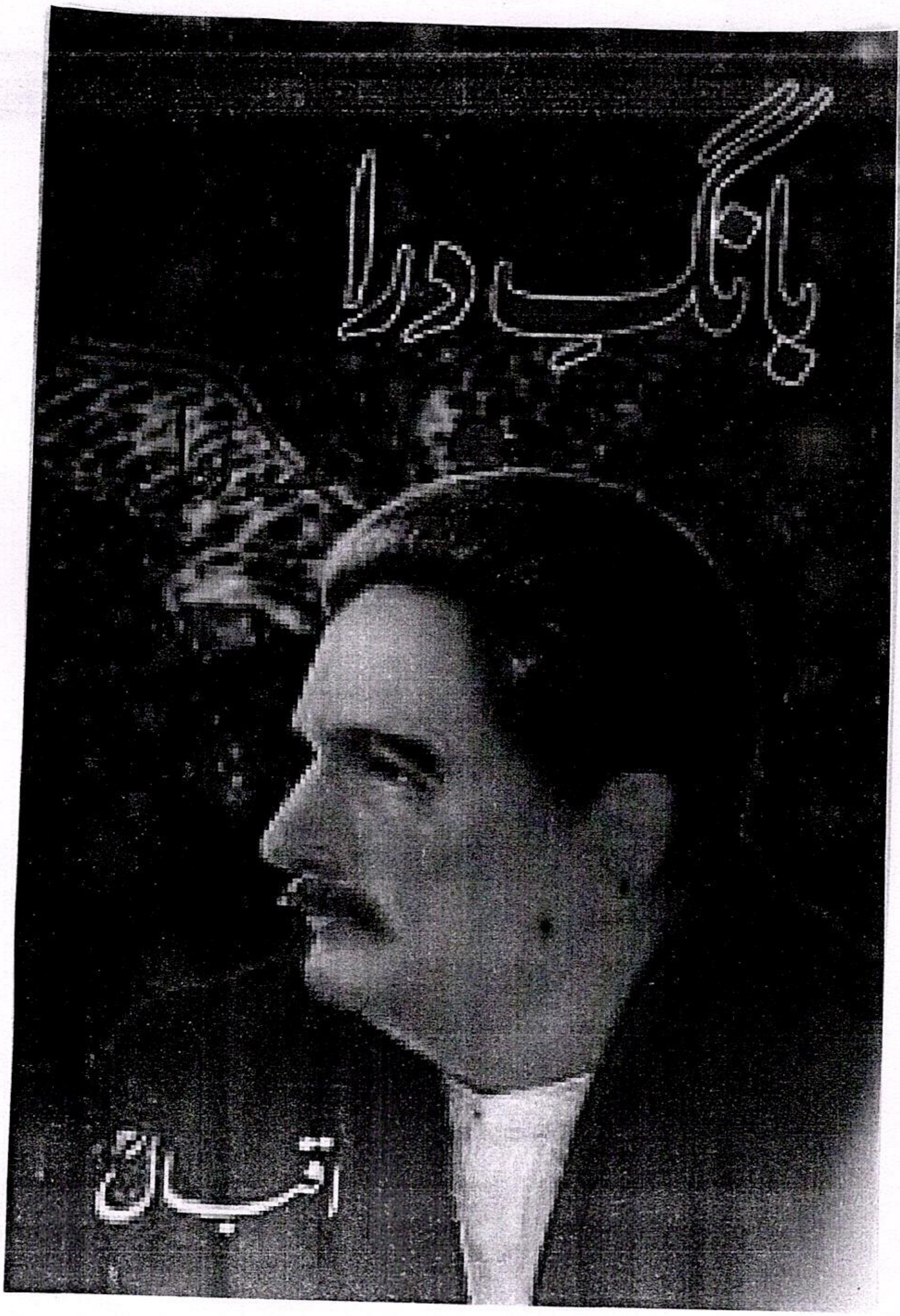


بانگِ درا میں ابتدائی زمانہ کا کلام شامل ہے، زیادہ تر
آسان نظمیں اور غزلیں ہیں بعض نظمیں بہت اعلیٰ پایہ کی ہیں،
مثلاً خضرِ راہ، اور طلوعِ اسلام اور شمع اور شاعر وغیرہ

# اردو میں اقبال کے شعری مجموعے

اردو میں اقبال کے تین شعری مجموعے کلام ملتے ہیں

(1) بانگِ درا (2) بال جبریل (3) ضربِ کلیم
(4) ارمغانِ حجاز

## بانگِ درا

بانگِ درا تمام نقادانِ فن کی نظر میں اردو ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ ہندوستان کے نامور ادیب اور نقاد اور پروفیسر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں کہ "اردو زبان کی جو خدمت اقبال کی شاعری انجام دیتی ہے۔ وہ نہایت مستحکم بالشان ہے۔

میر اور غالب کو چھوڑ کر اردو میں سوائے اقبال کے کوئی شاعر میں ایسا نہیں ملے گا۔ جس نے زبان پر اتنا گہرا اثر ڈالا۔

☆ بانگِ درا کے محاسن شعری کا وضاحت نہیں کر سکتا۔

☆ تشبیہ و استعارہ بدیہی کلام اقبال کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے اور بانگِ درا پر منحصر نہیں ہے یہ حسن کی ہر تصنیف میں پایا جاتا ہے لیکن بانگِ درا میں انھوں نے اسکو افراوانی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

☆ بانگِ درا کی اکثر غزلوں اور نظموں میں غضب کی روانی پائی جاتی ہے

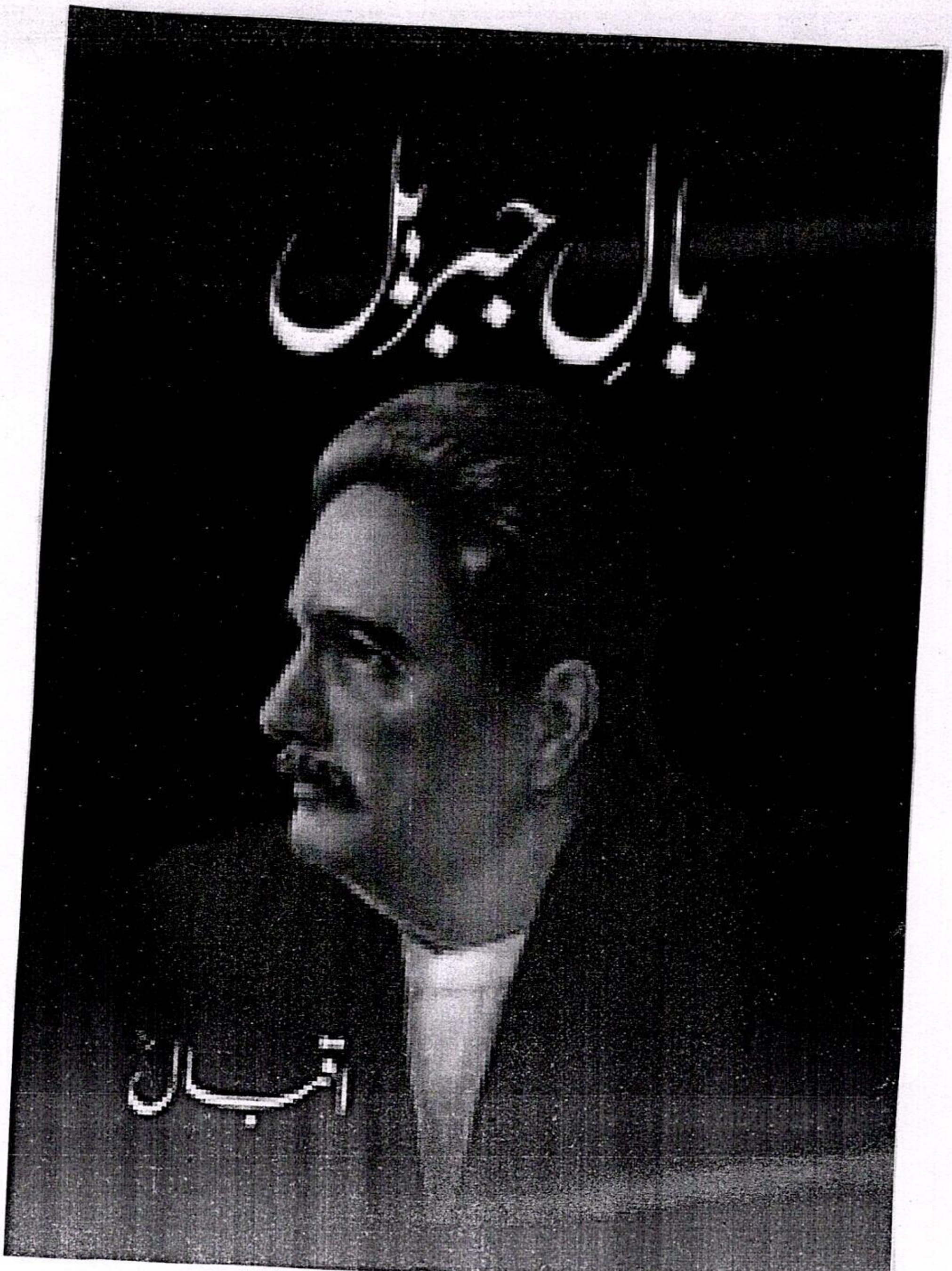


بالِ جبریل ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی، اور تمام نقادانِ فن
کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس میں شعریت کا عنصر بہت زیادہ ہے،
فلسفہ نسبتاً بہت کم ہے اور غزلوں میں بڑی روانی اور دلکشی ہے۔

# بالِ جبریل

بال جبریل علامہ اقبال مرحوم کی مقبول ترین تصنیف ہے۔
یہ کتاب جنوری ۱۹۳۵ء میں علامہ کی وفات سے تین سال پہلے شائع ہوچکی تھی۔ اور اسکے نسخوں کی تعداد ۲۷ ہزار ہے بال جبریل اردو زبان میں ہے اور شاعرانہ ہے۔ اور اسکی خصوصیت حسب ذیل ہیں۔

☆ اقبال کی شاعری کی پہلی خصوصیت یہ ہیکہ انہوں نے اکثر اشعار میں خدا کے ساتھ شاعرانہ شوخیاں کی ہے شاعری کی یہ بھی ایک دامک ہے۔ کہ ہم ان باتوں کو برداشت ہی نہیں کرتے بلکہ پسند کرتے ہیں۔

☆ بال جبریل کی شاعری کی دوسری خصوصیت یہ ہیکہ اسمیں طنز کو رنگ مقدمات پر بہت نمایاں ہے۔ دلکشی اور تاثیر پیدا ہوگئی۔

☆ تیسری خصوصیت یہ ہیکہ اسکی غزلوں میں حافظ اور جامی کا رنگ پایا جاتا ہے قوم اس اشعار کو بہت پسند کرتی ہے بال جبریل کی تصانیف زیادہ مشہور اور مقبول ہے۔

☆ چوتھی خصوصیت یہ ہیکہ بال جبریل میں بہت سے اشعار کو دیکھو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے اشعار صرف وہ شاعر ہی لکھ سکتا ہے۔

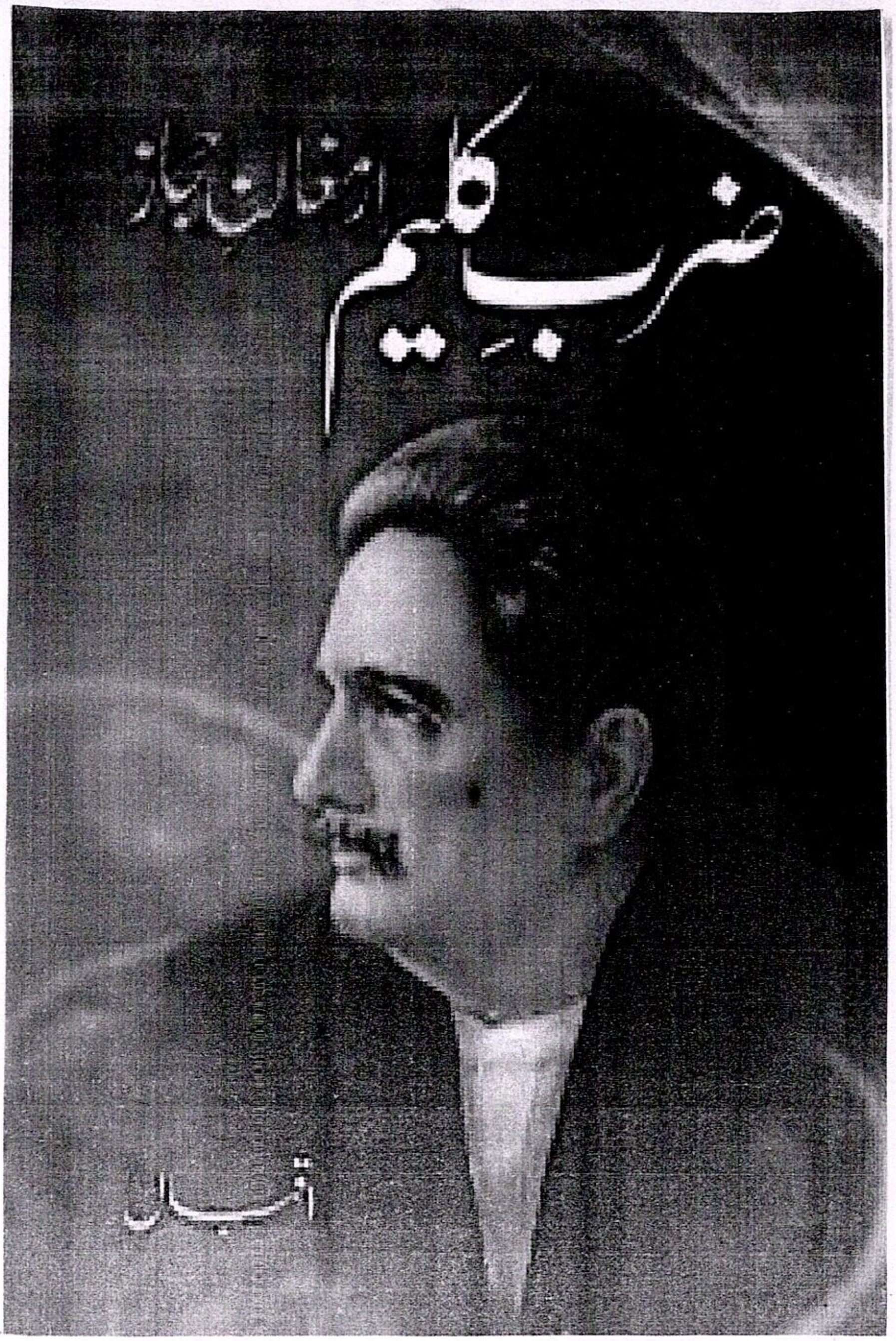


ضربِ کلیم، بقول علامہ اقبال مرحوم دورِ حاضر کے خلاف
اعلان ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ اس کتاب پر اتنے مختصر لفظوں میں اس سے
بہتر تبصرہ ممکن نہیں ہے۔

# ضربِ کلیم

ضرب کلیم ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی اس میں شعریت یا تغزل کم ہے اور فلسفہ زیادہ ہے، بعض نظمیں اس مجموعہ میں اس قدر بلند پایہ ہیں کہ ان کی سرحد الہام سے ملی ہوئی معلوم ہوتی ہے، مختصر طور پر یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ضرب کلیم چونکہ بہت پختہ عمر کا کلام ہے، اس لئے قدرتی طور پر اس میں خیالات کی گہرائی اور پختگی نظر آتی ہے اور اس اعتبار سے کہ اس کتاب میں علامہ نے دنیا کے تمام مسائل پر اسلامی زاویہ نگاہ سے تنقید کی ہے، کم از کم اردو یا فارسی میں تو کوئی کتاب اس کے پایہ کی نہیں ہے۔

ضربِ کلیم
یعنی

اعلانِ جنگ، دورِ حاضر کے خلاف

نہیں مقام کی خوگر طبیعت آزاد
ہوائے سیر مثالِ نسیم پیدا کر
ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر

ضرب کلیم، بقول علامہ مرحوم دورِ حاضر کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

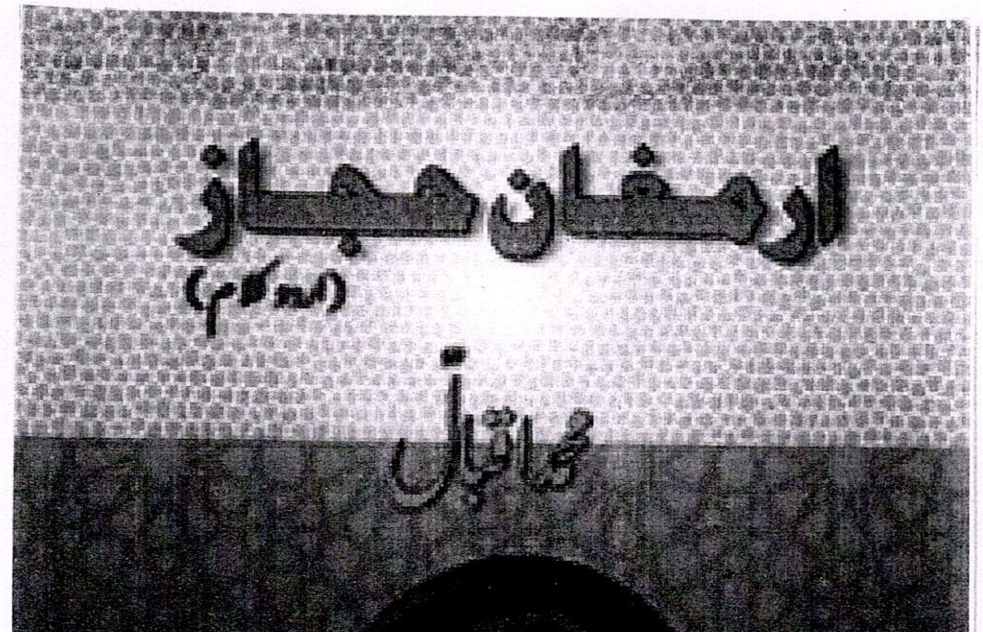
ارمغان حجاز
(اردو کلام)
محمد اقبال

# ارمغانِ حجاز

علامہ اقبال کا اردو کلام ہے جو انہوں نے ۱۹۳۵ء سے لیکر اپنی وفات سے کچھ دنوں پہلے موزوں کیا۔ اس حصہ میں کوئی غزل نہیں ہے اور نہ کسی نظم میں رنگ تغزل پایا جاتا ہے کلام اقبال کرنے سے معلوم ہوتا ہے غزلوں کا دور ۱۸۹۴ء سے شروع ہو کر ۱۹۳۴ء میں ختم ہو گیا زندگی کے آخری دور میں اقبال کی شاعری پر فلسفہ غالب آ گیا۔ ارمغانِ حجاز حصہ فارسی میں شامل نہیں ہو سکتی۔

☆ شروع میں ۷ نظمیں ہیں۔ اور ان نظموں میں تمثیلیں ہیں۔ اس لئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اقبال مرحوم چند سال اور زندہ رہ جاتے تو وہ ملٹن (Milton) کی طرح شاعری اختیار کر لیتے۔

☆ اسکے بعد تیرہ رباعیات ہیں۔ جن میں بعض وحدۃ الوجود کا رنگ پایا جاتا ہے۔

☆ ان کے بعد ملا زادہ ضیغم لولابی کا بیاض ہے اسمیں سترہ 17 نظمیں ہیں۔ اور دو شعر ہیں۔

☆ آخر میں تین نظمیں متفرق ہیں دو نظمیں دو اشخاص کے نام ہیں اور آخری نظم میں حضرت انسان کے منصب اور مقام کو واضح کیا ہے۔

# Patriotism peotry of Iqbal

1. ترانۂ ہندی
2. ہمالیہ
3. ہندوستانی بچوں کا قومی گیت
4. وطنیت

# ترانۂ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی، یہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم، رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی، دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا، ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا

اے آبِ رودِ گنگا! وہ دن ہے یاد تجھکو
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

# حلِ لغات اور شرح مشکلات

غُربت - پردیس - پربت پہاڑ مراد ہے ہمالہ سنتری بمعنی پاسبان - رشکِ جناں - جنت کی طرح حسین اور دلکش - گنگا یہ ہندوؤں کا مقدس ترین دریا ہے - بیر بمعنی دشمنی دورِ زماں - زمانہ کی گردش - پہلے زمانے میں لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ دنیا میں جس قدر واقعات رونما ہوتے ہیں سب کا باعث گردشِ زماں ہے ہندو قوم اب تک اسی عقیدہ پر قائم ہے -

# تبصرہ

یہ ترانہ اقبال نے 1904ء میں لکھا تھا اور 15 / اگست 1904ء کو کانپور (یو پی) کے مشہور اردو رسالہ زمانہ کے ایڈیٹر منشی دیا نرائین نگم کو اشاعت کیلئے بھیجا تھا اس میں اس آخری مصرعہ یوں لکھا تھا

معلوم ہے ہمیں کو دردِ نہاں ہمارا

لیکن بعد میں انہوں نے اس میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے یوں کر دیا

معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

اور اس میں شک نہیں کہ لفظ "کسی" نے مصرعہ میں سوز و گداز کی کیفیت میں اضافہ کر دیا ہے -

# ہمالہ

اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستان
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
نوجواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیاں

ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کے لیے
تو تجلی ہے سراپا چشمِ بینا کے لیے

امتحانِ دیدۂ ظاہر میں کوہستاں ہے تو
پاسباں اپنا ہے تو، دیوارِ ہندوستاں ہے تو
مطلعِ اوّل فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تو
سوئے خلوت گاہِ دل دامن کشِ انساں ہے تو

برف نے باندھی ہے دستارِ فضیلت تیرے سر
خندہ زن ہے جو کلاہِ مہرِ عالم تاب پر

تیری عمرِ رفتہ کی اک آن ہے عہدِ کہن
وادیوں میں ہے تری کالی گھٹائیں خیمہ زن
چوٹیاں تیری ثریا سے ہیں سرگرمِ سخن
تو زمیں پر اور پہنائے فلک تیرا وطن

چشمہ دامن ترا آئینہ سیال ہے
دامنِ موجِ ہوا جس کیلئے رومال ہے

ابر کے ہاتھوں میں رہوارِ ہوا کے واسطے
تازیانہ دے دیا برقِ سرِ کہسار نے
اے ہمالہ کوئی بازی گاہ ہے تو بھی جسے
دستِ قدرت نے بنایا ہے عناصر کے لیے
ہائے کیا فرطِ طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر
فیلِ بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

جنبشِ موجِ نسیمِ صبح گہوارہ بنی
جھومتی ہے نشۂ ہستی میں ہر گل کی کلی
یوں زبانِ برگ سے گویا ہے اسکی خامشی
دستِ گلچیں کی جھٹک میں نے نہیں دیکھی کبھی
کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا
کنجِ خلوت خانۂ قدرت ہے کاشانہ مرا

آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی
کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی
آئنہ سا شاہدِ قدرت کو دکھلاتی ہوئی
سنگِ رہ سے گاہ بچتی گاہ ٹکراتی ہوئی

چھیڑتی جا اس عراقِ دلنشیں کے ساز کو
اے مسافر دل سمجھتا ہے تری آواز کو

لیلیِ شب کھولتی ہے آ کے جب زُلفِ رسا
دامنِ دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا
وہ خموشی شام کی جس پر تکلّم ہو فدا
وہ درختوں پر تفکّر کا سماں چھایا ہُوا
کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق کُہسار پر
خوشنما لگتا ہے یہ غازہ ترے رُخسار پر

اے ہمالہ! داستاں اُس وقت کی کوئی سُنا
مسکنِ آبائے انساں جب بنا دامن ترا
کچھ بتا اُس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا
داغ جس پر غازۂ رنگِ تکلف کا نہ تھا
ہاں دکھا دے اے تصوّر پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

# حلِ لغات اور تشریحِ مشکلات

ہمالیہ لغوی معنی برف کا گھر مراد ہے وہ پہاڑ جو ہندوستان
کے شمال میں واقع ہے۔ ہم سنسکرت میں برف کو اور "آلیہ" کو گھر کہتے ہیں۔
خلوت گاہِ دل سے مراد ہے خلوت میں غور و فکر۔ دامن کشی سے مراد ہے حاصل کرنے
والا۔ فصیل فصل سے نکلا ہے لغوی معنی جدا کرنا مراد ہے۔ دیوار، شہر یا
قلعہ کی دیرینہ روزی۔ کہنگی پرانا پن۔ کلیم طورِ سینا حضرت موسیٰ علیہ
السلام جنہوں نے کوہِ طور پر خدا کی تجلی دیکھی تھی چشم بینا سے مراد ہے عقلمند
آدمی۔ امتحان دیدۂ ظاہر۔ بظاہر مطلع اوّل غزل یا دیوان کا پہلا شعر۔ دستار
فضیلت سے بزرگی اور عظمت مراد ہے۔ خندہ زن ہے یعنی آفتاب کو شرماتی
ہے ثریا چند ستاروں کا مجموعہ جو زمین سے بہت دور ہے۔ پہنا۔ بمعنی
وسعت یا چوڑائی۔ سیال۔ جامد کی ضد ہے بمعنی بہتا ہوا۔ ہموار۔ بمعنی
گھروڑا۔ فراز بمعنی بلندی کوثر و تسنیم۔ جنت کی نہروں کے نام ہیں۔ ستارہ
بمعنی محبوب۔ عراق۔ ایرانی موسیقی میں راگنی بھی ہے اور ایک علاقہ
کا نام بھی ہے جس میں کئی راگنیاں گائی جاتی ہے زلفِ رسا۔ بالوں کی درازی
اور کثرت کو لفظ "رسا" سے ظاہر کرتے ہیں۔ آبشار جھرنا۔ آبائے اسلاف
قدیم زمانے کے لوگ۔

# نظم کا مطلب

شاعر کوہ ہمالیہ سے خطاب کرتا ہے کہ تو ہندوستان کی حفاظت کیلئے دیوار یا شہر پناہ کا کام دیتا ہے اور تو اس قدر بلند ہے کہ آسمان بھی تیری پیشانی کو جھک کر چومتا ہے تو دنیا کی پیدائش کے وقت سے موجود ہے لیکن ابھی تک جوان ہے تجھ میں کسی طرح ضعف کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو جبل طور پر تجلی دیکھی تھی۔ لیکن عقلمندوں کی نگاہ میں تو سراپا تجلی ہے۔ یعنی تیرا وجود از سر تا پا قدرت خداوندی پر شاہد ہے۔

بظاہر تو پہاڑ ہے لیکن دراصل قدرت نے تجھے ہندوستان کا محافظ بنا دیا ہے تو اس قدر اونچا ہے کہ اگر تجھے دیوان قرار دی جائے تو یہ آسمان اس دیوان کا پہلا شعر ہے اور تجھے دیکھ کر ہر شخص کے دل میں تیری عظمت کا احساس پیدا ہوتا ہے تیری چوٹیوں پر ہمیشہ برف جما رہتا ہے اور یہ برف ایسا معلوم ہوتا ہے گویا تیرے سر پر فضیلت (فضیلت بزرگی) کی پگڑی بندھی ہوئی ہے اور یہ پگڑی اس قدر ارفع اور محترم ہے کہ کلاہ آفتاب کو بھی شرماتی ہے مطلب یہ ہے کہ شاعر ہمارے دل پر کوہ ہمالیہ کی بلندی اور عظمت کا نقش جمانا چاہتا ہے۔

اے ہمالیہ! تیری چوٹیاں ستاروں سے باتیں کرتی ہیں یعنی بلند ہیں۔ اگرچہ تو زمین پر قائم ہے لیکن وسعت کے لحاظ سے آسمان معلوم ہوتا ہے۔ تیری وادیوں میں جو ندیاں بہتی رہتی ہیں ان کا پانی نہایت شفاف ہے۔

بادل گویا ہوا کے گھوڑے پر سوار ہیں اور بجلیاں گویا بادل کے ہاتھوں میں تازیانے ہیں تاکہ وہ ہوا کو زیادہ تیز چلا سکیں۔ قدرت نے تجھے عناصر اربعہ کے لیے بمنزلہ بازی گاہ (کھیل کا میدان) بنایا ہے۔ تیرے دامنوں میں بادل اس قدر تیزی کے ساتھ ہوا میں اڑتے ہیں جیسے فیل بے زنجیر۔

تیرے دامن میں صدہا اقسام کے پھول کھلے ہوئے ہیں جو ہوا کے جھونکوں سے ہلتے رہتے ہیں ہر پھول اپنی اپنی پتی کی زبان سے یہ کہتا ہے کہ ہم تک کسی گلچیں کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا اور قدرت نے ہمارا گھر ایسے بلند مقام پر بنایا ہے کہ وہاں کسی کا گزر نہیں ہو سکتا۔

اب شاعر منظر کشی کا کمال دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ پہاڑ کی بلندی سے جو ندی گاتی ہوئی آ رہی ہے اس کا پانی اس قدر شفاف اور خوشگوار ہے کہ جنت کی نہروں کے پانی سے مشابہ ہے اور اس میں اردگرد کی چیزوں کا عکس بھی نظر آتا ہے کبھی بڑے پتھروں سے بچ کر نکل جاتی ہے اور کبھی ان سے ٹکرا جاتی ہے۔

چونکہ پہاڑی ندیوں کے بہنے سے بہت خوش آئند آوازیں پیدا ہوتی ہیں اس لیے شاعر نے ندی کو ایک گویا ماہر موسیقی فرض کر کے اس سے خطاب کیا ہے کہ اے ندی! تیری طرح میرا دل بھی نغموں سے لبریز ہے میں تیرا ہمدم اور ہمراز ہوں اس لیے تو میرے دل کے ساز کو بھی چھیڑ تا جس میں نہایت دلکش موسیقی پوشیدہ ہے۔

یہ بہت خوبصورت مصرعہ ہے۔ شاعر نے پہلے تو اپنے دل کو ساز سے تشبیہ دی ہے۔ پھر اس ساز کو "مضراب دل نشین" قرار دیا ہے۔

"دل سمجھتا ہے تیری آواز کو" اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو وہ جو میں نے اوپر بیان کئے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اقبال کے یہاں ندی زندگی کی علامت ہے یعنی وہ زندگی کو ندی یا جوئے آب سے تشبیہ دیا کرتے ہیں چنانچہ اسی کتاب میں جو نظم انہوں نے فلسفۂ غم کے عنوان سے لکھی ہے اسمیں وہ لکھتے ہیں۔

ایک اصلیت میں ہے نہرِ روانِ زندگی
گر کے رفعت سے ہجومِ نوعِ انساں ہو گئی

اس معنی کو مدِ نظر رکھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے ندی! میرا دل تیری حقیقت سے آگاہ ہے کیونکہ جس طرح تو مسلسل رواں ہے انسانی زندگی بھی اسی نہج پر بسر ہو رہی ہے۔ یعنی یہی حال حیاتِ انسانی کا ہے۔

جب شام ہو جاتی ہے تو آبشاروں کی صدا بہت دلکش معلوم ہوتی ہے پہاڑوں میں شام کی خاموشی گفتگو سے بھی زیادہ دلپذیر ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا درخت کھڑے کچھ سوچ رہے ہیں۔ اور رنگِ شفق ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کسی نے پہاڑ کے رخسار پر غازہ (پوڈر) لگا دیا ہو

اس کے بعد جب شاعر ہمالہ کی قدامت پر غور کرتا ہے تو قدرتی طور پر اس کا ذہن قدیم زمانے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہ اس زمانہ کا تصور کرتا ہے جب انسان فیشن اور بناوٹ سے بالکل ناواقف تھا۔

# تبصرہ

یہ اقبال کی سب سے پہلی نظم ہے جو ۱۹۰۱ء میں رسالہ مخزن کے پہلے نمبر میں شائع ہوئی تھی اس کی دوسری خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

1۔ اس میں وطن پرستی کے جذبات پوشیدہ ہیں۔

2۔ اسالیب بیان اور تراکیب الفاظ دونوں میں انگریزی ادب کا عکس نظر آتا ہے۔

3۔ اس کی زبان میں فارسی کا رنگ ہے۔

4۔ اس میں منظر کشی کا کمال نظر آتا ہے۔

5۔ اثر آفرینی کی غرض سے اقبال نے نہایت موزوں الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔

6۔ سلاست اور روانی کے ساتھ ساتھ خیالات کی دلکشی اور رعنائی بھی موجود ہے۔

7۔ تخیر تی جا بکہ کر اقبال نے شخصی رنگ پیدا کر دیا ہے اور اس طرزِ خطاب سے پوری نظم میں زندگی پیدا ہو گئی ہے۔

8۔ چونکہ یہ نظم وطن پرستی کے جذبہ کے تحت لکھی گئی ہے اس لیے مبالغہ کا رنگ جگہ جگہ نمایاں ہے۔ مثلاً

؎ چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں

9۔ اس نظم میں اقبال کا تخیل بہت حسین ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنی روح کو وطن کے اس مظہر سے ہم آہنگ کر لیا ہے

10۔ اس نظم میں معنی اور صورت دونوں کے لحاظ سے بہترین کے بلند پایہ ہے۔

# ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چشتی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا
سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے، پربت جہاں کے سینا

نوحِ نبی کا آکر ٹھہرا جہاں سفینا

رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینا

جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

# حلِّ لغات اور شرح مشکلات

چشتی رحمۃ اللہ علیہ سلطان الہند خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین حسن سنجری اجمیری جنہوں نے ہندوستان میں اسلام کی شمع روشن کی ۶۲۳ھ میں سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں وفات پائی۔ حضرت کے آستانہ مبارک تمام سلاطینِ ہند کا مرجع رہا ہے۔

من بدامان معین الدین رحمۃ اللہ علیہ حسن دست زدم

سیّدِ من خواجہ من خضرِ من صدا مے من

نانک جنہوں نے بتائیدِ ایزدی اسلام قبول کیا اور پنجاب میں توحید اور مساوات کا درس دیا۔ جس کے مسلمان ہونے کا ثبوت آج بھی ان کے اس کرتے سے مل سکتا ہے جس پر سورۃ فاتحہ اور کلمۂ توحید لکھا ہوا ہے۔ لیکن ان کے پیرو غلطی سے ان کو غیر مسلم سمجھتے ہیں۔ تاتاریوں سے ترکان تیموری مراد ہیں۔ جنہوں نے ۱۵۲۶ء سے ۱۸۲۸ء تک حکومت کی۔ حجازیوں سے وہ عربی فاتحین مراد ہیں۔ جنہوں نے ۷۱۲ھ میں سندھ فتح کیا تھا۔ یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا اشارہ ہے ہند و فلسفہ کی طرف واضح ہو کہ قدیم زمانہ میں ہندو قوم فلسفہ میں اہل یونان سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ فارس کے ستاروں سے وہ حکما اور شعرا مراد ہیں جو مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ میں فارس سے آکر یہاں آباد ہو گئے تھے۔ وحدت کی لے سے حضرت کرشن کی تعلیم کی طرف اشارہ ہے میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا۔ اسمیں آں

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ مجھے ہندوستان سے توحید کی خوشبو آتی ہے یہاں سے کلیم جس کا۔ اس سے مراد ہے کہ قدیم زمانہ میں یہاں کے باشندوں نے عرفان الٰہی حاصل کیا تھا نوح نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینہ۔ اس مصرعہ میں اقبال نے اس روایت کو نظم کر دیا ہے جو قدیم زمانہ میں یہاں مشہور تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کا سفینہ ہندوستان کی کسی پہاڑ کی چوٹی پر آ کر ٹھہرا تھا۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

## تبصرہ

یہ نظم اقبال نے اس زمانہ میں لکھی تھی جب ان پر وطن پرستی (نیشنلزم) کا رنگ غالب تھا چونکہ نظم آسان ہے اس لیے مطلب لکھنے کی ضرورت نہیں۔

# وطنیت

## یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوّت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تُو مصطفوی ہے

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

ہو قیدِ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی
ہے ترکِ وطن سنّتِ محبوبِ الٰہی
دے تو بھی نبوّت کی صداقت پہ گواہی

گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوّت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیّتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

# حلِ لغات اور شرح مشکلات

وطنیت، اس لفظ کے دو معنی ہیں (۱) اپنے وطن سے محبت کا جذبہ یا وطن پروری، اقبال کی رائے میں یہ جذبہ چونکہ قدرتی ہے اس لئے بالکل صحیح ہے اور اس میں کوئی برائی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس پر انہیں کوئی اعتراض بھی نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ہر شخص کو اپنے وطن سے قدرتی لگاؤ ہوتا ہے۔

(۲) ۔ یہ لفظ موجودہ زمانے میں ایک سیاسی اصطلاح بھی ہے یا جیسا کہ خود انہوں نے لفظ کے نیچے بطور شرح لکھا ہے وطنیت کا ایک سیاسی تصور بھی ہے اس تصور کی رو سے اس کا مفہوم پہلے مفہوم سے بالکل مختلف ہے اس کی تشریح یہ ہے

(ا) وطن انسان کی تمام وفاداریوں کا مرکز ہے۔

(ب) جب دین اور وطن میں موازنہ ہو یا آویزش ہو تو انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ وطن کو دین و ایمان پر ترجیح دے۔

(ج) ۔ وطن مذہب سے بلند تر ہے مثلاً اگر کوئی پوچھے کہ تم کون ہو؟ تو وطنیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم یہ جواب دیں کہ ہم ہندوستانی ہیں حالانکہ دین کی رو سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔

(د) مذہب اور سیاست جداگانہ ہیں حالانکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

## پہلا بند :=

موجودہ زمانہ میں سیاست اور حکومت کے طور طریقے بالکل بدل گئے ہیں ارباب حکومت نے بھی، لوگوں پر مہربانی اور ستم کے طریقے بدل دیئے ہیں ارباب حکومت نے بھی لوگوں اس تبدیلی سے متاثر ہو کر اکثر مسلمان ملکوں اور حکومتوں نے بھی نئے طور طریقے اختیار کر لئے ہیں موجودہ مغربی تہذیب نے انسانوں کی پرستش کیلئے جو نئے معبود (صنم) یعنی مسلک ایجاد کئے ہیں۔ ان نئے معبودوں میں وطن، سب سے بڑا معبود ہے جو اللہ کا مدمقابل بنا ہوا ہے اور اس نئے خدا کے پیش کردہ اصول اس قسم کے ہیں کہ ان کے اختیار کرنے سے دین (اسلام) فنا ہو جاتا ہے۔

## دوسرا بند :=

وطن کا یہ بت جسے مغربی تہذیب نے بنایا ہے دین محمدیؐ کا دشمن ہے، اے مسلمان! چونکہ تو موحد ہے اور توحید نے تیرے اندر کافی طاقت پیدا کر دی ہے اس لئے تو اس کے مقابلے کیلئے تیار ہو جا تیرا وطن نہ مشرق ہے نہ مغرب بلکہ اسلام ہے اور اسلام زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہے تو نہ ایرانی ہے نہ عراقی نہ ہندی نہ پاکستانی بلکہ محمدی و مصطفوی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے تیرا روحانی تعلق کسی ملک سے نہیں بلکہ سرکار دو عالم کی ذات پاک سے ہے پس تو اٹھ اور اس بت کو پاش پاش کر کے بت شکنی کا وہی پرانا نظارہ دنیا کو دکھا دے جو کبھی تیرے اسلاف نے دنیا کو دکھایا تھا

## تیسرا بند :-

اگر تو اپنے آپ کو کسی خاص ملک سے وابستہ کرے گا تو اس کا نتیجہ بربادی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے یعنی مسلمان کی حیثیت سے تو ختم ہو جائیگا تو دنیا میں مچھلی کی طرح رہ کہ وہ سارے سمندر کو اپنا وطن سمجھتی ہے تو بھی ساری دنیا کو اپنا وطن سمجھ یعنی ساری دنیا میں اسلام کا علم بلند کر اور اگر ضرورت پڑے تو ترک وطن کر دے جسطرح تیرے آقا اور مولائے کل دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا کہ جب مکہ مکرمہ میں اسلامی زندگی بسر کرنی دشوار ہو گئی تو آپ نے یثرب کی طرف ہجرت فرمائی اس طرح ہجرت سنتِ نبوی قرار پائی ہیں اگر تو دیکھے کہ اپنے وطن میں اسلامی زندگی بسر کرنی دشوار ہے تو وطن کو ترک کر دے اور پردیس کو اپنا وطن میں اپنا لے تو جس ملک چلا جائے گا وہی تیرا وطن بن جائے گا کیونکہ

" مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا "

## چوتھا بند :-

آج دنیا کی مختلف اقوام ، اسی وطنیت کی بدولت ایک دوسرے کی دشمن ہو گئی ہے ، روسی اپنے وطن کو دنیا میں سربلند کرنا چاہتے ہیں ۔ امریکن اپنے وطن کو ، انگریز اپنے وطن کو ، جرمن اپنے وطن کو ، یعنی ان میں سے ہر ایک اپنے وطن کو معبود سمجھتا ہے لیکن مسلمان کا راستہ سب سے جدا ہے وہ نہ اس ملک کی سربلندی کا خواہاں ہے نہ اس کی ، وہ تو اللہ کے نام کو دنیا میں سربلند کرنا چاہتا ہے۔

# Conclusion

## خلاصہ:

علامہ اقبال ہندوستان کے مایہ ناز شاعر تھے ان کی ہر نظم سے وطن کی محبت جھلکتی ہے وطنیت پر مشتمل نظموں میں ترانہ ہندی، وطنیت، ہمالیہ اور ہندوستانی بچوں کا قومی گیت میں وطن سے محبت کا اظہار مختلف پیرائے میں والہانہ انداز سے کیا ہے۔ مذکورہ بالا نظموں میں اقبال نے سب سے زیادہ ترانہ ہندی میں وطنی محبت کو پیش کیا ہے۔ یہ نظم گویا ہندوستان کی شان ہے کہ پورے ملک میں ہمارے ہندوستان کی الگ شناخت کے طور پر اظہار کرتے اپنے جذبات کو پیش کیا ہے اس کے علاوہ نظم ہمالیہ کو اقبال کی نمائندہ نظموں میں شمار کیا جاتا ہے ہندوستان ہمارا ملک ہے ہمیں اس ملک پر ناز ہے۔ اقبال نے ہمالہ کی بلندی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے ہندوستان کی ترقی اور کامرانی کی مثال دیتے ہوئے یہ پیغام دیا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کے حوصلوں کی پختگی کو ہمالیہ کی مضبوطی سے تشبیہہ دی ہے۔ نظم وطنیت میں وطن کے نمائندگی کرنے والے رہنماؤں کا ذکر کرتے ہوئے وطن میں ہم آہنگی و میل جول کے فروغ کرلیے نانک، چشتی، تاتاریوں کا ذکر کرتے ہوئے ہندوستانی قوم کو یہ پیغام دیا کہ ملک کی آب و ہوا میں صلح و آشتی کے جذبے کو فروغ دینا چاہئے۔ ہندوستانی بچوں کا قومی گیت میں اقبال نے حالات حاضرہ پر اظہار خیال کیا ہے ملک کے نوجوانوں کے قومی جذبات کو ابھارتے ہوئے محنت اور جستجو کر کے منزل حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے اس طرح سے علامہ اقبال کی وطنی شاعری ملک و قوم کیلیے ایک پیامبر، رہنما اور صلح و آشتی کے فروغ کرنے والی رہبر ثابت ہوتی ہے۔

# Reference

# کتابیات


| کتابیات | مصنف |
|---|---|
| 1) کلیاتِ اقبال | علامہ اقبال |
| 2) بانگِ درا | علامہ اقبال |
| 3) بالِ جبریل | علامہ اقبال |
| 4) ضربِ کلیم | علامہ اقبال |
| 5) ارمغانِ حجاز | علامہ اقبال |
| 6) دانشورِ اقبال | آل احمد سرور |
| 7) اقبال معاصرین کی نظر میں | وقار عظیم |
| 8) فکرِ اقبال | خلیفہ عبدالحکیم |
| 9) گورنمنٹ ڈگری کالج لائبریری | |
| 10) انٹرنیٹ (گوگل) | |
| 11) ڈپارٹمنٹل لائبریری (شعبۂ اردو لائبریری) | |
| 12) اردو میگزینس | |
| 13) درسی کتب | |
| 14) اخبار منصف (روزنامہ) | |